Fikr-o-Nasar (Islamabad) 39:1 (2001)

فکر و نظر --- اسلام آباد　　جلد:۳۹　　شمارہ:۱

قرآن کا منہج تشریع

سیّد عبدالرحمٰن بخاری ☆

شریعت انسان کی فطری عمرانی ضرورت

انسان کی معاشرت پسندی ایک بدیہی حقیقت ہے[۱] اور اس کی نمود زندگی کے حیاتیاتی اور تشریعی دونوں دائروں میں بھرپور، حیاتیاتی دائرے میں انسان کی مدنیت پسندی اس کی فطری ضروریات کے آئینے میں جلوہ گر ہوتی ہے اور تشریعی دائرے میں تمدنی ضوابط کے حوالے سے انہی تمدنی ضوابط کا مجموعہ قانون کہلاتا ہے اور قانون کا تعلق زندگی کے ساتھ اس قدر اٹل اور بنیادی ہے کہ اس کے بغیر ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل ممکن ہے نہ فرائض حیات کی حسنِ ادائیگی[۲]، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بغیر انسانی وجود کی بقاء ہی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ جبھی تو علامہ ابن قیم نے شریعت کو حیاتِ انسانی کے لیے غذا و دوا اور سانس کی آمد و رسد سے بھی زیادہ ضروری قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"حاجة الناس الى الشريعة ضرورية فوق حاجتهم الى كل شئى ولا نسبة لحاجتهم الى علم الطب اليها---ولا لحاجاة الى التنفس فضلا عن الطعام والشراب لان غاية مايقدر من عدم التنفس والطعام والشراب موت البدن و تعطل الروح عنه وأما ما يقدر عند عدم الشريعة ففساد القلب والروح جملة وهلاك الابدوشتان بين هذا وهلاك البدن بالموت.[۳]

یعنی انسان کے لیے شریعت کی ضرورت دوا و علاج اور خورد و نوش ہر چیز سے زیادہ حتیٰ کہ خود عمل تنفس سے بھی بڑھ کر ہے، کیونکہ ان اشیاء سے محرومی کا زیادہ سے زیادہ نقصان موت جسمانی ہے لیکن شریعت کے نہ ہونے سے قلب و

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر/انچارج شعبہ مطبوعات، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　http://iri.iiu.edu.pk/

روح کا فساد اور دائمی ہلاکت و بربادی لازم آتی ہے اور نقصان کی ان دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

الغرض انسانی فطرت کا تشریعی ظہور ایک قانونی نظام کا تقاضا کرتا ہے اور قانونی نظام وہی معتبر ہے جو خود زندگی دینے والی کی عطا ہو۔ خدا کا دیا ہوا قانون شریعت کہلاتا ہے اور اس کی سب سے آخری، سب سے کامل اور سب سے برتر شکل حضور رحمت عالم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ہے۔ حضور سیّد کائنات ﷺ کی صرف نبوت ہی آفاقی نہیں، شریعت مطہرہ بھی آفاقی ہے۔ مخلوق کے لیے فطری، دائمی اور ہمہ گیر نظام رشد و فلاح ایسا ضابطہ حیات ہے جس میں حسی مادیت ایک برتر روحانیت کے تابع، عملی واقعیت ایک بلند نظر مقصدیت سے ہمکنار اور فکری وحدت ایک لامتناہی تنوع میں جلوہ گر ہے۔ ایسا نظام ہدایت جو فرد کی تکمیل سے لے کر معاشرہ کی تعمیر تک، تزکیۂ روح سے لے کر سیاست ملی تک اور دنیوی سعادت سے لے کر اخروی فلاح تک زندگی کے ہر زاویے کو اجاگر کرتا ہے۔ ایک مغربی ناقد این جے کولسون کے الفاظ ہیں:

> In theory of course, the shariah has always been a totolitaria and comprehensive code of conduct covering every aspect of human life.(۴)

یعنی نظری طور پر شریعتِ اسلامیہ ہمیشہ سے ایک مکمل اور جامع ضابطۂ عمل ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔

الغرض شریعت اسلامیہ اپنی جامعیت، تنوع اور ہمہ گیری کے لحاظ سے زندگی کی بے کراں وسعتوں سے ہمکنار، تہذیب و تمدن کے سب گوشوں پر حاوی اور اپنے اصول و فروع کی لامتناہی کثرت کے ساتھ کبھی خشک نہ ہونے والا ایسا چشمۂ علم و حکمت ہے جس کی نظیر اقوام عالم میں کہیں ممکن نہیں۔

اسلام میں قانون سازی کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے اس لیے وہی تمام احکام شریعت کا اساسی مصدر، جملہ اقدارِ حیات کا اوّلیں مأخذ اور مشروعیت علیا کا حقیقی معیار قرار پاتی ہے۔ وحی کا تصور یوں بھی دنیا میں تاریخ مذاہب کا نقطہ آغاز ہے۔ ہر قوم اپنے مذہبی عقائد

و نظریات کا تانا بانا وحی کے عناصر ہی سے بنتی ہے۔ وحی کے اثبات یا دعویٰ کے بغیر کسی مذہب، تہذیب یا دینی روایت کا تشخص قائم نہیں ہوتا اور اسلام تو اپنی آغوش میں وحی کے تمام پاکیزہ سرچشموں کو سمیٹے ہوئے ہے اور ان کی تکمیل بھی کرتا ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت کا سنگ بنیاد ہی نہیں تعبیر و تشریح کا پیانہ اور توسیع و تفریع کا سانچہ بھی وحی الٰہی کی روشنی میں وضع ہوا اور برتا گیا۔ نزول وحی اس کی اساس، ادراک وحی اس کی دریافت اور تعبیر وحی اس کا منہاج ہے۔ یوں لگتا ہے وحی الٰہی ایک آبشار ہے جس سے شریعت کے ان گنت احکام قطرہ قطرہ پھوٹ رہے ہیں اور زندگی کی روش روش مہکا رہے ہیں۔ وحی الٰہی کی دو قسمیں ہیں: ایک وحی جلی یا متلو جو قرآن میں محفوظ ہے اور دوسری وحی خفی یا غیر متلو جو سنت نبوی سے عبارت ہے۔[۵] ہم وحی جلی یعنی قرآن حکیم کے منہاج تشریع پر بالاختصار گفتگو کریں گے۔

قرآن---منہج تشریع

یوں تو قرآن بھی دیگر آسمانی کتابوں کی طرح ایک صحیفۂ سماوی ہے لیکن سب سے الگ اور سب سے جدا۔ کہنے کو قرآن بھی وحی الٰہی ہے لیکن مجرد وحی نہیں۔ یہ تو خدا کی تجلی ذاتی اور ازلی صفت کلام ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ میں: ''تمام کمالات ذاتی اور شیونی کا جامع ہے اور دائرہ اصل میں اس طرح داخل ہے کہ ذرہ برابر ظلیت اس کی طرف راہ نہیں پاسکتی''۔[۶] سادہ الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جس طرح پھول کی پتیوں میں اس کی خوشبو چھپی ہوتی ہے بلاتمثیل ایسے ہی خدا اپنے کلام کے اندر پنہاں ہے۔ یوں قرآن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا آئینہ بن گیا ہے۔ خدا نور ہے تو قرآن بھی نور۔[۷] وہ بے مثل ہے تو یہ بھی بے مثل۔[۸] وہ انسانی علم و ادراک کی حدود سے ماوراء ہے تو یہ بھی۔[۹] خدا کی ایک تجلی سے کوہ طور ریزہ ریزہ ہوگیا[۱۰] اور قرآن کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ: ''اگر ہم اسے پہاڑ پر اتارتے تو اس کی ہیبت و جلال سے وہ پاش پاش ہوجاتا''۔[۱۱] جبھی تو زمین و آسمان اور پہاڑوں نے قرآن کی ربانی امانت کا بارگراں اٹھانے سے عاجزی کا اظہار کر دیا[۱۲] اور خدا نے اس کے لیے انسان کامل محمد مصطفیٰ ﷺ

کو چنا۔[۱۳]

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا[۱۴]

یعنی بابرکت ہے وہ ذات جس نے قرآن اپنے خاص الخاص بندے کے سینے پر اتارا تاکہ اسے عالمین کا ہادی بنا دے۔

عالمین کے لیے حضور اکرم ﷺ کی ہدایت کا ایک فیضان شریعت محمدی ہے اور قرآن اس شریعت کا منبع۔ پہلی وحی سے پڑھنے کا حکم ملا[۱۵] اور یہ شریعت کا آغاز تھا۔ پھر جوں جوں قرآن اترتا رہا، شریعت آتی رہی۔ نزول قرآن کا تسلسل شریعت کا استحکام ہے اور اس کی تدریج شریعت کا ارتقاء، ترتیب نزولی کا تعلق تاسیسِ شریعت سے ہے اور ترتیب تلاوت کا تعلق تعمیل شریعت سے۔ نصوص قرآنی کے تنوع میں وسعت شریعت کا راز پنہاں ہے اور وجوہِ خطاب کی نیرنگی میں اس کے مختلف گوشے نمایاں ہو رہے ہیں۔ دلائل کی قوس قزح میں شریعت کا استناد چمک رہا ہے اور بیان کے اسالیب میں شریعت کی توانائی ظاہر ہو رہی ہے۔ اسباب نزول میں تشریع کے عوامل جلوہ گر ہیں اور وسعتِ اطلاق سے شریعت کی آفاقیت ہویدا۔ الفاظ کے در و بست میں شریعت کا جمال تابانی دے رہا ہے اور معانی کے بیکراں سمندر میں شریعت کا کمال موجیں اٹھا رہا ہے۔ عموم و خصوص کے زاویوں سے خطابِ شریعت کے دائرے بن رہے ہیں اور مطلق و مقید کے پردے میں احکام کی درجہ بندی ہو رہی ہے۔ محکم اور متشابہ کا امتیاز فہم شریعت کی حدود بتا رہا ہے اور حقیقت و مجاز کے آئینے میں شریعت کے معیار جھلک رہے ہیں۔ مشترک اور خفی میں شریعت کا احاطہ کارفرما ہے اور ظاہر و مووّل سے شریعت کی پرتیں کھل رہی ہیں۔ اجمال کی لڑی میں شریعت کے اصول پروئے ہوئے ہیں اور تفصیل کے سانچوں میں لاتعداد جزئیات پنپ رہی ہیں۔ اوامر و نواہی اقدار شریعت سے عبارت ہیں اور خبر و ندا تبلیغ شریعت کے آہنگ۔ الغرض قرآن کے ہر ہر لفظ سے شریعت کے انوار پھوٹ رہے ہیں اور شریعت کے ہر ہر نقش کا مصدر کلام پاک ہے۔ اب آیئے! ذرا اس اجمال کی قدرے تفصیل سے فیضیاب ہوں اور قرآن کے منہج تشریع کی خصوصیات اور نمایاں خدوخال کی چند جھلکیاں دیکھیں۔

قرآن کی مجموعی تشریعی فکر

ہر قوم و ملت کا قانونی نظام اس کے نظریۂ حیات، تہذیب، تصورات اور ملی احساسات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے قومی مزاج کا اختلاف لازماً قانونی نظام کے اختلاف کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ مختلف نظامہائے قوانین کا یہ اختلاف ہر قانونی نظام کے مجموعی تشریعی فکر میں منعکس ہوتا ہے۔ تشریعی فکر سے مراد ہر قانونی نظام کے مخصوص مقاصد و اہداف، منفرد قواعد و ضوابط اور طرق نفاذ و تطبیق میں جاری و ساری فکری اور اس کے تمام شعبوں اور اداروں پر محیط وہ مجموعی رنگ ہے جو اسے دیگر نظامہائے قوانین سے تفرد و امتیاز بخشتا ہے۔ قرآن کے منہج تشریع کا اساسی نقطہ یہ ہے کہ اس نے امت مسلمہ کو ایک منفرد اور جداگانہ تشریعی فکر سے نوازا ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی ساڑھے چھ ہزار سے زائد آیات میں سے کل پانچ سو آیات ایسی ہیں جن کا تعلق احکام شریعت سے ہے اور یہ تعداد بہت مختصر ہے لیکن میرا احساس یہ ہے کہ اسی اجمال و اختصار میں قرآن کے منہج تشریع کا سارا امتیاز اور اس کی عظمت کا راز پنہاں ہے۔ قرآن کا ارتکاز کمیت پر نہیں کلیت پر ہے۔ اس کی قلت میں کثرت اور تحدید میں وسعت ہے۔ اس کے اجمال میں احاطہ اور تبیین میں تاسیس ہے۔ اس کی خبر میں طلب اور سکوت میں اباحت ہے۔ اس کے اشاروں میں کلام اور بیان میں جہان ہے۔ لفظ نہ گنو معنی میں جھانکو۔ ظاہر نہ دیکھو باطن میں اترو۔ عدد کو چھوڑو اثر پر جاؤ، اس کا ایک بھی لاکھوں پر بھاری ہے۔ اس کا ہر حرف ایک حقیقت، ہر لفظ ایک جہان اور ہر آیت خود قرآن ہے۔ یہ احکام کی تعداد نہیں بڑھاتا ان کی تاثیر دکھاتا ہے، یہ شریعت کے دائرے نہیں بناتا اس کا مزاج بتاتا ہے۔ یہ قواعد نہیں سکھاتا، مقاصد اُتارتا ہے۔ یہ راستہ نہیں سنوارتا منزل تک پہنچاتا ہے۔ یہ تشریع کا کام نہیں کرتا، تشریعی فکر دیتا ہے۔ دنیا کا سارا تشریعی خزانہ ایک طرف اور تنہا قرآن کی تشریعی فکر دوسری طرف۔ یہ سب پر بھاری ہے۔ دنیا کے قانون ضوابط کا انبار ہیں، قرآن اصولِ تشریع۔ دنیا کے قوانین دفعات کی گنتی، قرآن کی تشریع اقدار کی کسوٹی۔ دنیا کے قوانین رسوم کا گورکھ دھندہ، قرآن کی تشریع محکم اساس۔ دنیا کے قوانین افراد کے تابع، قرآن معیار تشریع، دنیا کے قوانین بدلتے موسم، قرآن کی تشریع حرف آخر، آیئے! قرآن کی تشریعی

فکر کے چند امتیازات پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔

ا۔ مشروعیت علیا Super Legality

قرآنی تشریع کا سنگ بنیاد مشروعیت علیا Super Legality کا منفرد دینی تصور ہے جس کی بنیاد ایمان باللہ پر استوار ہے اور جس کا لازمی نتیجہ زندگی کے تمام فکری و عملی دائروں میں اللہ تعالی کی حاکمیت مطلقہ Absolute Sovereightly اور اس کے عطا کردہ احکام و اقدار کی کلی سیادت و فوقیت کی صورت میں مرتب ہوتا ہے۔ چونکہ تشریع کا منبع خدا کی ذات ہے اس لیے وحی خداوندی سے حاصل ہونے والے احکام تنظیم زندگی کی اساس اور حق و انصاف کا معیار قرار پاتے ہیں۔ ہر چیز کے نفع و ضرر اور جواز و عدم جواز کا پیمانہ الہامی ہدایت ٹھہرتا ہے اور یوں انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ مظاہر و آثار اور تمام سیاسی و عمرانی احوال پر مشروعیت علیا کا ایک مقدس دینی و روحانی رنگ چھا جاتا ہے۔ مصر کے ایک عظیم محقق ڈاکٹر مصطفیٰ کمال وصفی کے الفاظ میں:

> ”وتؤدی سیادة هذه المشروعية الى أن تصير اوامر الله تعالى و نواهيه اساساً للمشروعية و معياراً للحق والعدل والاباحة والآداب و مناهج المعيشة فما قام على اساسها كان شرعيا وما خالف هذا الاساس كان مجافيا للشرع وماطابقها كان صحيحا وما جافاها كان باطلا--- وكذا فى اعتبار الآداب فما لم يوافق هذه المشروعية لم يوافق الآداب.(۱۶)
>
> یعنی قرآن کی مشروعیت علیا کے نتیجے میں خدا کے احکام حق و انصاف کا معیار، جواز و عدم جواز کی اساس اور اخلاق و آداب زیست کا پیمانہ قرار پاتے ہیں۔ جو چیز قرآنی مشروعیت سے ہم آہنگ ہو وہ جائز ہے ورنہ ناروا۔ جو عمل اس کے مطابق ہو وہ صحیح ہے ورنہ باطل۔ اسی طرح تمام آداب زندگی کے درست یا غلط ہونے کا اعتبار اسی قرآنی مشروعیت کے حوالے سے قائم ہوتا ہے۔

قرآن کی مشروعیتِ علیا کا یہ دینی تصور مسلمانوں کی تہذیبی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی مظاہر کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیتا ہے جس کے نتیجے میں سوسائٹی کا ہر فرد اور ہر

ادارہ ایمانی تقاضوں کی تکمیل، احکام الٰہیہ کے نفاذ اور مصالح اجتماعیہ کے حصول کی جدوجہد میں فکری اور عملی اور روحانی ہر لحاظ سے ایک فعال حرکی قوت کا روپ دھار لیتا ہے اور یوں اسلامی معاشرہ اور اس کا تمدنی و قانونی نظام ثبات و استقرار کی دولت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

۲۔ مقصدیت و مصلحیت

قرآن کے منہج تشریع کی دوسری اساس مقصدیت ہے۔ قرآن حکیم کے نصوص و آیات، دلائل و شواہد اور احکام و قواعد کا استقراء تام اس حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتا ہے کہ اس کا تشریعی نظام سراسر مقصدیت پر استوار ہے۔ ائمہ فقہ و شریعت کا اس بات پر اجماع ہے۔ قرآن حکیم کے تمام تکلیفی اور وضعی احکام بالذات مشروع نہیں بلکہ متعین مقاصد کے وسائل و ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔[۱۷] قرآنی تشریع دیگر نظامہائے قوانین کی طرح صرف احکام و ضوابط کا نام نہیں بلکہ احکام اور ان کے مقاصد دونوں کے مجموعے سے عبارت ہے۔ یہ دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی مربوط کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ایک کے بغیر دوسرا بے معنی ہے۔ بقول ڈاکٹر محی الدرینی:

" ان الحکم و حکمة تشریعه فی التشریع الاسلامی مقترنان متکاملان فکلا هما من وضع الشارع الحکیم و کلاهما شرع و قانون "[۱۸]

یعنی شریعت اسلامیہ میں حکم اور اس کی تشریعی حکمت دونوں مربوط اور متکامل ہیں کہ دونوں ایک ہی شارع حکیم (اللہ تعالیٰ) کے وضع کردہ ہیں اور دونوں مل کر شریعت کہلاتے ہیں۔

اس حقیقت کی مزید وضاحت استاذ علال الفاسی کے اس بیان سے ہوتی ہے:

" ولیست المقاصد الشرعیة مصادر تشریع خارجیه--- بل الادلة الاصلیة والمقاصد جزء من المصادر الأساسة للتشریع الاسلامی--- فالشریعة احکام تنطوی علی مقاصد و مقاصد تنطوی علی احکام"[۱۹]

یعنی مقاصد شریعت اسلام کے خارجی تشریعی مصادر نہیں بلکہ ادلہ اصلیہ اور تشریع

اساسی (قرآنی تشریع) کا جزو لاینفک ہیں۔ قرآن تشریع احکام اور ان کے مقاصد کا مجموعہ ہے۔

الغرض مقصدیت نہ صرف قرآن حکیم کے منہج تشریع کا خاصہ ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کی مجموعی تشریعی فکر ایک لفظ میں مقصدیت ہی سے عبارت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مقصدیت سے مراد کیا ہے تو اس بارے میں امام عزالدین ابن عبدالسلام کی یہ تصریح دوٹوک ہے کہ:

"الشريعة كلها مصالح إمّا درء مفاسد أوجلب منافع"(۲۰)

یعنی شریعت سراسر مصلحت پر استوار ہے، خواہ دفع مفاسد کے طور پر یا جلب منافع کی صورت میں۔

اور علامہ ابن قیم نے تو یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی ہے کہ:

"ان الشريعة مبناها و اساسها على حكم و مصالح العباد فى المعاش والمعاد"(۲۱)

یعنی شریعت کی بنیاد حکمتوں اور لوگوں کے دنیوی و اخروی مصالح پر ہے۔

۳۔ اخلاقی مثالیت

قرآن کی تشریعی فکر کا محور اوّل و آخر مکارم اخلاق کی تکمیل ہے، کیونکہ اس کے بغیر تعلق باللہ کا استحکام اور رضاء الٰہی کا حصول ممکن ہے نہ زندگی کا قیام اور مصالح کا تحقق۔ چنانچہ قرآنی تشریع کے تمام مبادی و احکام حصول اخلاق کے ذرائع اور تزکیۂ نفس کے وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ:

"قرآنی احکام کا وجوب اور حرمت اس امر پر مبنی ہے کہ ان اعمال کی انجام دہی یا ترک سے انسان کا تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور اس کے باطنی اخلاقی تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے۔"(۲۲)

بات یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کی تشکیل و تنظیم کے لیے اخلاقی اقدار کی ضابطہ بندی فطرت انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا ہے کیونکہ بعض اعلیٰ طبائع سے قطع نظر نوع انسانی کی عام

اکثریت کے لیے محض مثالی اخلاقی ہدایات کوئی معنی نہیں رکھتیں جب تک انہیں تشریعی ضابطوں اور جزا و سزا سے منسلک کر کے ایک مکمل نظامِ حیات کی صورت میں پیش نہ کیا جائے۔[۲۳] اسی لیے دنیا کے تمام مذاہب اپنے اندر اخلاقی فرائض کا تصور لیے ہوئے ہیں۔ جلیل القدر اسلامی مفکر ڈاکٹر عبداللہ دراز کے الفاظ ہیں:

"یستندای مذھب اخلاقی علی فکرۃ الالزام، فھو القاعدۃ الاساسیۃ والعنصر النووی الذی یدور حولہ کل النظام الاخلاقی والذی یؤدی فقدہ الی سحق جوھر الحکمۃ العلمیۃ و فساد النظام".[۲۴]

یعنی تمام اخلاقی نظریات لزوم و فرضیت کے تصور پر قائم ہیں کہ یہی وہ اساسی قاعدہ اور محوری عنصر ہے جس پر کل اخلاقی نظام استوار ہے اور اس کا فقدان جوہر حکمت، احساس مسئولیت اور نظام اجتماعی کا خاتمہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہدایت ربانی کے آخری سرچشمہ قرآن حکیم نے فطری اصول اخلاق میں فرضیت و لزوم کا عنصر شامل کر کے انہیں تکلیفات شرعیہ اور احکام قانونیہ کا رنگ دے دیا ہے۔ چنانچہ تشریع قرآنی میں اشیاء کی حرمت و اباحت کا مدار ان کے طیب و خبیث یعنی اخلاق کے لیے نفع بخش یا مضرت رساں ہونے پر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبٰث"[۲۵] سے ظاہر ہے۔ اسی طرح اعمال اور رویوں کا جواز و عدم جواز ان کے "معروف" یا "منکر" یعنی فطری اخلاق کے موافق یا متصادم ہونے پر منحصر ہے۔ "شاہ ولی اللہ" کے الفاظ ہیں:

"انسان کی قوت ملکیہ کے موافق اور موجب لذت تمام افعال اس کے لیے فرض اور تقاضائے بہیمیت کی جملہ باتیں ممنوع قرار دی گئی ہیں"[۲۶]

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قرآنی تشریع کا محور سراسر اخلاق کریمانہ کی تحصیل اور انفرادی و اجتماعی سطح پر فضائل و اقدار کا فروغ قرار پاتا ہے۔ دورِ جدید کے ایک عظیم محقق استاد علال الفاسی کے بقول:

"مکارم الاخلاق مقیاس کل مصلحۃ و اساس کل مقصد من مقاصد الاسلام"[۲۷]

یعنی مکارم اخلاق ہر تشریعی مصلحت کا پیانہ اور جملہ مقاصد اسلام کی اساس ہے۔

قرآن کا تشریعی اسلوب

پہلے بھی آسمان سے کتابیں اتریں اور شریعتیں آئیں مگر قرآن کا منہج تشریع سب سے الگ اور سب سے جدا ہے۔ قرآن کے مقاصد تشریع ہوں یا معیار تشریع، اصول تشریع ہوں یا اسلوب تشریع ہر لحاظ سے یہ ایک بے مثل کتاب ہے۔ دنیا میں قانون سازی کے جتنے بھی اسالیب ممکن تھے قرآن نے ان سب کے اچھے پہلو اپنے اندر سمو لیے ہیں اور ان سے بڑھ کر دنیا والوں کو بے شمار نئے اور عظیم تشریعی اسالیب عطا کیے ہیں جن کا تصور بھی انسانی عقل و خرد کی رسائی سے باہر تھا۔ قرآن کے تشریعی اسالیب کا احاطہ کرنا تو ممکن ہی نہیں۔ یہاں بطور نمونہ صرف چند اسالیب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ نئے تشریعی حقائق

قرآن نے تشریع کے مقاصد، معیارات اور اصول ہی نہیں بنائے، بالکل نئے اور منفرد تشریعی حقائق بھی وضع کیے ہیں۔ نئی اقدار تخلیق کیں۔ نئے قانونی سانچے دیے۔ نئی شرعی اصطلاحات تراشیں اور نئے پیانے عطا کیے۔ قرآن کی تشریعی فکر نے تمدن کی سپرٹ (Spirit) اور فارم (Form) ہر دو اعتبار سے بے شمار نئی تخلیقی روایات قائم کی ہیں۔ سماجی تعامل (Social Interaction)، معاشرتی وظائف (Social functions) اور شرعی عرف و عادت کے بہت سے نئے دائرے تخلیق کیے ہیں۔

۲۔ اسالیب خطاب

قرآن حکیم بندوں کے نام خدا کا آخری پیغام ہدایت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے خطاب کر رہا ہے۔ یہ تشریعی خطاب ہے اور اس میں لاتعداد اسالیب برتے گئے ہیں۔ خطاب تکلیف، خطاب وضع، خطاب تشریف، خطاب تعجیز، خطاب تجیب، خطاب تحسین، خطاب تنفیر، خطاب ترغیب، خطاب تلوین، خطاب تکذیب، خطاب تہییج، خطاب استفہام، خطاب ترجی، خطاب اعتبار، خطاب تحکم، خطاب اہانت، خطاب کرامت، خطاب روح، خطاب

ذم، خطاب جنس، خطاب نوع، خطاب عین، خطاب عام، خطاب خاص، خطاب شخصی، خطاب جمع، خطاب تقیید، خطاب اطلاق۔ غرض بے شمار اسالیب خطاب ہیں[۲۸] اور ہر ایک خطاب، تشریع کا ایک خاص رنگ اور جداگانہ آہنگ لیے ہوئے ہے۔

۳۔ طرز استدلال

قرآن کے اسلوب تشریع کا سب سے اہم اور بنیادی پہلو اس کا یکتا اور یگانہ طرز استدلال ہے۔ عربی زبان کی وسعت اپنی جگہ مگر قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ عرب کے ان پڑھ بدوؤں سے انہی کی زبان میں خطاب کر رہا ہے اور ازل سے ابد تک کے جملہ ماورائی حقائق ان کے ذہنوں میں اتارتا چلا جا رہا ہے۔ ہر شخص ہر بات کو بآسانی سمجھ رہا ہے مگر قرآن کے ایک فقرہ کا بدل لانے سے قاصر ہے۔ اس اعجاز کا راز قرآن کے منفرد طرز استدلال میں پوشیدہ ہے۔[۲۹] ایک ایک لفظ سینکڑوں معانی پر دلالت کر رہا ہے۔ ہر لفظ کا ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطنی، ہر عبارت کی ایک دلالت اصلی ہے ایک تضمنی اور ایک التزامی۔ ہر فقرہ کا ایک براہ راست مفہوم ہے اور ایک بالواسطہ۔ ہر خطاب بیک وقت معانی اربعہ اور معانی ثانویہ پر محیط ہے۔[۳۰] اور یوں معانی و اطلاقات کے اس بحرِ بیکراں میں تشریع اسلامی کے انمول خزانے چھپے ہوئے ہیں۔

۴۔ تشریعی علامات

قرآن حکیم اپنے تشریعی منہاج میں صرف طرز استدلال کے بوقلموں اسالیب ہی بروئے کار نہیں لاتا بلکہ لامحدود تکوینی، تہذیبی اور ماورائی تشریعی حقائق کو اجاگر کرنے کے لیے تمثیلات، تشبیہات، استعارات اور علامات بھی پوری طرح استعمال کرتا ہے۔ معروف نومسلم مفکر عیسی نور الدین (فرتھجون شواں) اس بارے میں لکھتے ہیں:

> یوں محسوس ہوتا ہے گویا حق سبحانہ و تعالیٰ ہزاروں صداقتیں بیان کرنے کے لیے صرف چند درجن الفاظ پر اکتفا کرتے ہوئے معانی کی گہرائیوں تک ہمارے اذہان کو پہنچانے کے لیے تلمیحات، کنایات اور علامات کو استعمال کر رہا ہے"۔[۳۱]

۵۔ سوالوں کے جوابات

قرآن کے تشریعی اسلوب کا ایک نمایاں پہلو اپنے مخاطبین کے ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات کے جواب مہیا کرنا ہے۔ ویسے اگر دیکھا جائے تو ہر وحی انسانی فطرت کے تقاضوں اور تمدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے آتی ہے اور اس لحاظ سے یہ تقاضے انسان کی جانب سے ایک سوال کی حیثیت رکھتے ہیں اور وحی ان کا جواب قرار پاتی ہے۔[۴۲] تاہم قرآن حکیم میں اس سے بڑھ کر یہ بھی ہے کہ بالفعل لوگ اپنے مسائل اور ضرورتیں لے کر بارگہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے اور قرآن ان سوالوں کا جواب بن کر نازل ہوتا۔ عربوں کے ان پڑھ ہونے کا یہ ایک بہت بڑا فائدہ ہے جو نوع انسانی کو پہنچا کہ ان کے سادہ ذہن سوال پیدا کرتے رہے اور قرآن جواب میں تشریع کے نت نئے اسالیب برتتا رہا۔ کہیں سوال کا براہِ راست جواب دیا گیا۔ کہیں سوال سے ہٹ کر جواب دیا۔ اصل تشریعی ضرورت کو پورا کیا گیا اور کہیں سرے سے سوال کو نظرانداز کر کے تشریع کے مقاصد اور معیار کو اجاگر کیا گیا۔[۴۳] الغرض سوال کی نوعیت، انسانی فطرت کی اصل ضرورتوں، ارتقاء تمدن کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور آنے والے دور کے تہذیبی مسائل کو حل کرنے کے لیے قرآن حکیم نے بہت سے تشریعی اسالیب کو اختیار کیا اور یوں اولاد آدم کو علم و فکر، تہذیب و تمدن اور تحقیق و استنباط کا انمول خزانہ ہاتھ آیا۔

۶۔ تدریجی نزول

قرآن حکیم یکبارگی نہیں اترا بلکہ لگ بھگ تیئس سال کے عرصہ میں نازل ہوا اور یوں قرآن کی تشریعی فکر اس طویل عرصہ میں مکمل ہوئی۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بہت سے احکام کئی مرحلوں میں دیئے گیے جیسے شراب کی حرمت، جہاد کی اباحت، بدکاری کی سزا، میراث کا نظام وغیرہ۔ اسی طرح متعدد احکام نسخ و ترمیم کے عمل سے گزرے۔ یوں ربع صدی کے عرصے پر محیط انسانی زندگی کے تمام احوال، پیہم تغیرات اور جملہ تہذیب امکانات کو قرآن حکیم نے اپنی لازوال تشریعی فکر میں سمیٹ لیا۔ جاہلیت کے اندھیروں میں قرآن کے تشریعی نور کی یہ کرنیں ربع صدی تک مسلسل اجالے پھیلاتی رہیں۔ زندگی کے سفر میں

لمحہ لمحہ ابھرتے مسائل حل ہوتے رہے اور تمدن کا ارتقائی سفر جاری رہا۔[۳۴] یوں لگ رہا تھا قرآن بشریت کا ہاتھ تھام کر الوہی تشریع کے راستے پر دھیرے دھیرے منزل کی طرف لیے چلا جا رہا ہے تا آنکہ بالآخر "الیوم اکملت لکم دینکم"[۳۵] کی نوید جاں فزا سنا کر تکمیل شریعت کا اعلان کر دیا۔

۷۔ تشریعی تناظر

قرآن کا تشریعی اسلوب ہماری آج کی مقننہ کے ایکٹ یا عدلیہ کے فیصلوں اور قانونی نظائر کی طرح کوئی خشک چیز نہیں بلکہ خدا کے لطف و کرم کا فیضان، اس کی عنایتوں کی برکھا، محبتوں کی چاندنی اور مہربانیوں کی پھوار ہے۔ اس لیے قرآن جب کوئی شرعی حکم دینا چاہتا ہے تو قانون کی طرح یونہی سپاٹ زبان میں آرڈر جاری نہیں کر دیتا بلکہ اس کے لیے ایک حسین اور جاذب توجہ تشریعی تناظر مہیا کرتا ہے۔ یہ تشریعی تناظر کہیں ترغیب، ثواب، جنت اور اس کی بیش بہا نعمتوں کے ذکر سے بنتا ہے، کہیں خدا کی رحمتوں، نوازشوں اور مہربانیوں کے تذکرہ سے، کہیں موت کے احوال، سزا کے خوف اور نقصان کے اندیشوں سے اور کہیں آئندہ کے بارے میں پیشینگوئیوں یا امم سابقہ کے واقعات اور انبیاء کرام کے حالات بیان کرنے سے ابھرتا ہے۔ اس تشریعی تناظر میں رکھ کر جب کوئی شرعی حکم دیا جاتا ہے تو وہ سیدھا مخاطبین کے قلب و روح کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ مشہور محقق حسین نصر کے الفاظ میں:

> ''تاریخی حقائق اور واقعات میں لپٹا ہوا پیغام الٰہی انسانی روح سے مخاطب ہے اور اس لحاظ سے قرآن حکیم انسان کے وجود ارضی کی عظیم تفسیر ہے''[۳۶]

قرآن کے اصول تشریع

قرآنی احکام کی لامحدود وسعتوں کا راز اس کے اصول تشریع کی گہرائی و گیرائی میں پنہاں ہے۔ فروع کی نمود اصول سے ہے اور احکام دلائل میں منحصر۔ وحی سرچشمۂ دین ہے اور اس کا فہم قواعد پر موقوف۔ شریعت میزان حیات ہے اور اس کا قیام مقاصد کے تابع۔ انہی مقاصد، قواعد اور دلائل کا مجموعہ اصول تشریع کہلاتا ہے جو اپنے فکری، تہذیبی اور فنی

تناظر میں حیات انسانی کے تمام گوشوں، دین کی سب جہتوں اور علوم و فنون کے جملہ زاویوں پر محیط ہے۔ انفس و آفاق کے ہر سوال کا جواب اور انسانی زندگی کے ہر مسئلہ کا حل قرآن کے اصول تشریع میں ملتا ہے۔ فکر و دانش کا ہر معیار، بحث و تحقیق کا ہر منہاج اور استنباط و استدلال کا ہر میزان یہیں سے ماخوذ ہے۔ اس مختصر مضمون میں قرآنی اصول تشریع پر گفتگو تو درکنار ان کا شمار کرنا بھی ممکن نہیں۔ صرف بطور مثال چند عام سے اصولوں کی نشاندہی پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) اصل اباحت ہے

قرآن حکیم اگرچہ ہماری زندگی کے تمام شعبوں کی حد بندی کرتا ہے لیکن اس کی یہ مداخلت صرف اصولی اور کلیاتی نوعیت کی ہے، تفصیلی اور جزئیاتی نہیں۔ امام شاطبی کے الفاظ میں:

"تعریف القرآن بالاحکام الشرعیه اکثره کلي لاجزئي، وحیث جاء جزئیا فمأخذه علی الکلیة اما باعتبار أوبمعنی الاصل" (۳۷)

چنانچہ ہر شعبہ زندگی میں اساسی اور کلی اقدار طے کر دینے کے بعد قرآن حکیم ایک نہایت وسیع دائرۂ مباحات کا چھوڑ دیتا ہے جس میں ہم قرآن و سنت کے مجموعی تشریعی فکر، اصولی مزاج اور مقاصد و اقدار کی روشنی میں زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ہم آہنگ قواعد و ضوابط بنانے کی آزادی رکھتے ہیں اور یہی قرآن کے تشریعی فکر میں اجتہاد کا حصہ ہے جو وہ ان الفاظ میں متعین کرتا ہے: **"واحل لکم ماوراء ذلکم"** (۳۸) اور جسے قاعدہ شرعیہ **"الاصل فی الاشیاء الاباحة"** میں اجاگر کیا گیا ہے۔

(۲) احکام شرعیہ کی درجہ بندی

قرآن کے تشریعی احکام ایک ہی درجہ اور حیثیت کے نہیں بلکہ اساسی طور پر تکلیفی اور وضعی کے دو دائروں میں بٹے ہوئے ہیں اور تکلیفی دائرہ میں آنے والے احکام طلب اور تخییر کی نوعیت کے لحاظ سے بارہ اقسام (فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، خلاف اولی، خطا اور تخییر) اور ان کے بہت سے ذیلی درجات

میں منقسم ہیں۔ اسی طرح وضعی دائرہ میں آنے والے احکام سبب، شرط، مانع، صحیح، فاسد، باطل، رخصت اور عزیمت کے متعدد دائروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ احکام قرآنی کے ان تمام مدارج کا تعین دراصل ان کے پس پردہ کارفرما مقاصد اور مصالح و مفاسد کے درجات میں تفاوت پر مبنی ہے۔[۳۹] بندوں کے دینی و دنیوی مصالح کی رعایت میں جو فطری تدریجی ترتیب پائی جاتی ہے وہی ان مصالح عباد پر مبنی احکام قرآنی کے مراتب و درجات میں فرق و امتیاز کی بنیاد ہے۔[۴۰] احکام کی یہ درجہ بندی اوامر و نواہی کے تمام درجوں، فرائض شرعیہ کے عینی اور کفائی دائروں اور قواعد و احکام کی کلی اور جزئی تقسیم کے علاوہ تخییر و اباحت کی مختلف حیثیتوں تک پر حاوی ہے۔ اور یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضوابط و احکام کی درجہ بندی قرآن کا ایک مستقل اور نہایت اہم اصول تشریع ہے۔

(۳)۔ اصول عدل و توازن

قرآنی تشریع کا بنیادی اصول عدل و توازن ہے جو کہ سلسلۂ رشد و ہدایت اور بعثت انبیاء کا مقصد اولیں اور تمام آسمانی شریعتوں کا مشترک نصب العین رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لقد ارسلنا رسلنا بالبینت وانزلنا معهم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط"[۴۱]

بناء بریں قرآن حکیم کے تمام اوامر و نواہی اور قواعدواحکام کی بنیاد عدل و توازن ہی متعین ہوتی ہے اور اسی عدل کی نسبت میں قرآنی تشریع کے مختلف دائرے مل کر ایک وحدت و کل بناتے ہیں۔ علامہ ابن قیم رقمطراز ہیں:

"ان الله ارسل رسله و انزل کتبه لیقوم الناس بالقسط و هو العدل الذی قامت به الارض والسموٰت فاذ ا ظهرت امارة العدل واسفر وجهه بای طریق کان فثم شرع الله ودینه"[۴۲]

یعنی نظام عالم کی بنیاد عدل ہی بعثت و ہدایت کا مقصد بھی ہے لہذا جس بھی طریقے سے عدل کا تحقق ہو وہی شریعت اور دین قرار پائے گا۔

مغربی قانون کے برعکس عدل و انصاف قرآنی تشریع کے ایک اساسی اور داخلی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے جس کی تکمیلِ احکام شرعیہ کے ہر ہر جزو کا بنیادی مقصد ہے۔ استاد علال الفاسی کے الفاظ میں:

"العدالة فی الاسلام من صمیم التطبیق للاحکام الشرعیة ولیست نظریة مستقلة عنها"[۴۳]

یعنی اسلام میں عدل و انصاف کوئی الگ اور خارجی نظریہ نہیں بلکہ اصول تشریع اور تعمیل احکام کا داخلی عنصر ہے۔

۴۔ دفع ضرر و فساد

یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل اور ناقابل تردید ہے کہ اللہ رب العزت کا ہر حکم اپنی مجرد حیثیت میں سراسر بندوں کی مصلحت اور رفاہ عامہ پر مشتمل ہے۔ چنانچہ قرآنی تشریع کے لامحدود دائرے میں کوئی ایک بھی حکم ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے لیے کلی یا جزوی اور عمومی یا خصوصی کسی اعتبار سے نقصان یا ضرر و فساد کا موجب ہو۔[۴۴] تاہم اگر کبھی خارجی عوامل کے دباؤ یا خاص حالات میں کوئی آدمی قرآن و سنت کے کسی حکم پر عمل کرنے میں دشواری محسوس کرے تو قرآن کے اصول تشریع میں ایسی صورت حال کا علاج بھی تجویز کر دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ایسے غیر معمولی حالات میں شریعت کے متبادل استثنائی احکام بروئے کار لائے جائیں۔ چنانچہ قرآن میں محرمات اکل و شرب بیان کرنے کے بعد ساتھ ہی "الاما اضطررتم الیه[۴۵] اور "فمن اضطر غیر باغ ولاعاد"[۴۶] اور اسی طرح: "إلامن اکره وقلبه مطمئن بالایمان"[۴۷] کے واضح احکام بھی دیئے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ اگر کوئی بدنیت آدمی شریعت کے دیئے ہوئے بنیادی حقوق کی آڑ میں سوسائٹی کے دوسرے افراد کو اذیت یا کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو قرآن کے اصول تشریع میں اس کا تدارک بھی رکھا گیا ہے۔ قرآن حکیم انسان کے مال و دولت سمیت اس کے تمام شخصی حقوق کو خدا کی امانت اور معاشرتی ذمہ داری (Social Responsibility) قرار دیتا ہے اور ہر قسم کی زیادتی کو جرم قرار دیتا ہے۔ میراث کے

بیان میں کہتا ہے: ''غیرمضار''۔[۴۸] نکاح و طلاق کے بارے میں: ''ولاتمسکوھن ضرارا''[۴۹] اور عمومی طور: ''ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین'' [۵۰] اور ''فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم'' [۵۱]

۵۔ثبات وتغیر میں امتزاج

نظام قدرت اور حیات انسانی کی طرح قرآن کے اصول تشریع میں بھی ثبات وتغیر کا حسن امتزاج پوری طرح جلوہ گر ہے۔ قرآن کی تشریعی فکر اپنے مقاصد، مصادر اور احکام تینوں دائروں میں ثبات و استناد اور تغیر و اجتہاد کے متحارب تقاضوں میں ہم آہنگی اور مطابقت کی صلاحیت سے پوری طرح بہرہ ور ہے۔ چنانچہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۵۹ میں جہاں کتاب و سنت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، وہیں مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی صورت میں کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد کا اصول بھی رکھا گیا ہے۔ اسی لیے امام رازی اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ آیت جملہ اصول دین اور استناد و اجتہاد کے تمام شرعی دلائل کا اثبات کرتی ہے[۵۲] اور یہیں سے قرآن کے اصول تشریع میں ثبات وتغیر کا حسن امتزاج پوری طرح آشکار ہو جاتا ہے۔

قرآن کا معیار تشریع

قرآن کے منہج تشریع کا چوتھا اہم اور بنیادی پہلو معیار تشریع ہے۔ قرآن نے ایک مستقل تشریعی نظام فکر ہی نہیں دیا، اس کے لامحدود اسالیب بھی وضع کیے ہیں اور ان اسالیب کو بروئے کار لاتے ہوئے بلند پایہ تشریعی اصولوں کا ایک لازوال خزانہ بھی نوع انسانی کو دیا ہے۔ پھر اصولوں ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ تشریع کا ایک اٹل اور انمٹ معیار بھی متعین کر دیا ہے۔ ذیل میں قرآنی معیار تشریع کے چند اساسی گوشوں پر مختصر گفتگو کی جاتی ہے۔

۱۔ اعتبار مآل

ماہرین قانون اور حکمائے اخلاق کے نزدیک یہ حقیقت طے شدہ ہے کہ انسانی افعال کے صواب اور خطا فاسد یا مفید اور مضر ہونے کا دارومدار ان کے نتائج پر ہے۔ اگر اعمال

فرد یا معاشرہ کے حق میں بہتر ہوں تو صائب اور مفید ہیں ورنہ خطا، مضر اور قابل احتراز۔ اعتبار مآل کا یہ تصور حیات و کائنات کا ایک فطری ضابطہ بھی ہے اور قانون و اخلاق کا معیار بھی۔ قرآن کی تشریعی فکر انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور قرآن کے جملہ نصوص و احکام اور مقاصد و مصالح کا استقراء تام یہ حقیقت آشکار کر دیتا ہے کہ اس کا تشریعی منہاج سراسر نظریہ اعتبار مآل پر استوار ہے۔(۵۳) اصول تدریج اور نسخ سے لے کر خطاب کی تکلیفی و وضعی نوعیت اور احکام شرعیہ کی فرض سے حرام تک درجہ بندی نیز قواعد دفع ضرر اور مبدا رخصت و استثنا، سب اسی اعتبار مآل کے تشریعی معیار کی تفصیلات اور تطبیقات کی حیثیت رکھتے ہیں۔(۵۴) تفصیل سے قطع نظر یہاں خود اشارات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ علمائے فقہ و اصول کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی حکم شرعی کا نتیجہ اور مآل بجائے مصلحت کے مفسدہ کی صورت میں مرتب ہو تو وہ حکم شارع کے نزدیک قطعاً غیر معتبر ٹھہرے گا۔(۵۵) امام شاطبی کے الفاظ میں:

" ان لم تعتبر مآلات الاعمال امكن أن يكون الاعمال مالات مضادة لمقصود تلك الاعمال و ذلك غير صحيح لأن التكاليف لمصالح العباد ولا مصلحة تتوقع مطلقا مع امكان وقوع مفسدة توازيها أو تزيد" (۵٦)

یعنی اگر احکام شرعیہ کے مآل کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس امر کا امکان ہے کہ ان احکام کے اصل مقاصد سے متصادم نتائج مرتب ہوں کیونکہ احکام شرعیہ کا مقصد بندوں کے مصالح کی تکمیل ہے اور متضاد نتائج کی صورت میں مصالح کی تکمیل ممکن نہیں رہتی۔

۴۔ تکلیف بقدر استطاعت

قرآن کے تشریعی منہاج کا اصل الاصول تکلیف بقدر استطاعت ہے جو اس کے تمام اوامر و نواہی اور احکام و قواعد میں اس طرح جاری و ساری ہے کہ خدا نے شریعت کے ہر ہر جزو کو بندوں کی اہلیت و استعداد اور طاقت عمل سے وابستہ کر دیا ہے(۵۷) اور یہ اٹل معیار دے دیا ہے کہ بندہ جس عمل کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا جا

سکتا[۵۸] کیونکہ شارع کا مقصد لوگوں کے دنیوی و اخروی مصالح کی رعایت ہے نہ کہ انہیں مشقت اور تنگی میں مبتلا کرنا۔[۵۹] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: "لایکلف اللہ نفسا الاوسعها"[۶۰] اور "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"[۶۱] سے پوری طرح ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی تشریع میں بیک وقت اصل اور متبادل احکام کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ نماز پوری اور قصر، وضو اور تیمّم، قصاص اور دیت، حرمت اور اباحت وغیرہ۔ غرض جہاں جہاں اصل احکام کی پیروی میں مشقت کا امکان موجود تھا وہاں وہاں قرآن نے متبادل استثنائی احکام دے دیئے ہیں۔ جن کی انجام دہی سے مطلوبہ مصالح کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے اور اصل شرعی احکام کی یاد اور جذبہ اطاعت بھی برقرار رہتا ہے۔[۶۲] علامہ عبدالوہاب الشعرانی اس معیار تشریع کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> " ان الشریعة المطهرة جاء ت من حیث شهود الامر والنهی علی مرتبتین تخفیف و تشدید لا علی مرتبه و احده فان جمیع المکلفین لا یخرجون عن قسمین: قوی و ضعیف من حیث ایمانه او جسمه فی کل عصر و زمان، فمن قوی منهم خوطب بالتشدید ولاخذ بالعزائم و من ضعف منهم خوطب بالتخفیف والأخذ بالرخص و کل منها حینئذ علی شریعة من ربه و تبیان"[۶۳]
>
> یعنی شریعت مطہرہ ہر اختلاقی مسئلہ میں امر و نہی کے اعتبار سے تشدید اور تخفیف کے دو مرتبوں پر نازل ہوئی ہے کیونکہ ہر دور کے انسان ایمانی یا جسمانی لحاظ سے قوی اور کمزور کے دو طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ طاقتور لوگ شریعت کے مرتبہ تشدید و عزیمت کے مکلف ہیں اور کمزور و پست ہمت مرتبہ تخفیف و رخصت کے مخاطب اور یہ دونوں ہی شریعت الٰہیہ کی پیروی کر رہے ہیں۔

۳۔ تشریع ہم آہنگِ فطرت

اللہ تعالیٰ نے تمام دیگر مخلوقات کی طرح انسان کو بھی ایک مخصوص فطرت پر پیدا فرمایا ہے اور اس فطرت کے مطابق انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کی صورت گری ہی بقاء حیات کی ضامن ہے۔ قرآن کی تشریعی فکر اگر ایک طرف اپنے مقاصد و معیار کے لحاظ

سے مثالیت کا شاہکار ہے تو دوسری جانب اپنے قواعد و احکام میں فطرت انسانی کے عمرانی تقاضوں سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

" فاقم وجهک للدين حنيفا، فطرت الله التی فطر الناس عليها"(۶۴)

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کا نظام تشریع اپنے مقاصد، مصادر اور تمام کلی و جزئی احکام میں فطرت انسانی کے داخلی مطالبات سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔ حلت و حرمت، ندب و اباحت اور وضع و تکلیف کے اس تشریعی دائرے میں کوئی ایک بھی اساسی یا ذیلی حکم ایسا نہیں جو فطرت انسانی سے کسی طور مغائرت رکھتا ہو بلکہ ہر سلبی اور ایجابی قاعدے کی بنیاد کسی نہ کسی داعیۂ فطرت پر استوار ہے۔ چنانچہ قرآن کے معیار تشریع کی رو سے اشیاء کی حرمت و اباحت اور اعمال کے حسن و قبح کا پیمانہ فطرت انسانی ہے۔ فطرت کے موافق اعمال حسن ذاتی کے حامل ہیں اور اباحت سے لے کر فرضیت تک کی شرعی حیثیت رکھتے ہیں۔ جبکہ فطرت انسانی کے مغائر افعال شرعاً و عقلاً قبیح اور خلاف اولیٰ سے لے کر حرام تک کی قانونی حیثیت کے حامل ہیں۔ قرآن کا نظام عبادات انسان کے فطری داعیہ عبدیت کی تسکین، تنظیم اور اظہار کا نام ہے۔ شخصی قوانین Personal Laws انسان کے عریزۂ تحفظ نوع و ذات کے مظاہر ہیں اور دیگر تمام سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور تعزیری احکام درحقیقت انسان کے جبلی شعور ارتفاق کی تنظیم سے متعلق ہیں۔

۴۔ دین ہمہ اوست ﷺ

قرآن اپنے منہج اور معیار تشریع کا حاصل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

" ومآ اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا"(۶۵)

یعنی دین اور شریعت تو بس یہی ہے کہ جو کچھ تمہیں رسول اللہ ﷺ دیں اسے لے لو اور جس سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ۔

بس یہی بات حرف آخر ہے قرآن کے منہج و معیار تشریع کے بارے میں۔ یہی اساس دین ہے اور یہی منشاء الٰہی۔ اس آیت نے یہ حقیقت پوری طرح کھول کر ہمارے سامنے رکھ دی ہے کہ ہمارے دین و شریعت اور نظام فکر و عمل کی روح ذات مصطفیٰ ﷺ ہے۔

آپ ﷺ کی تصدیق معیار ایمان آپ ﷺ کی محبت اساس دین اور آپ ؐ کی اتباع حاصل زیست ہے۔ آپ ﷺ کی نسبت کے بغیر دین و ایمان کی محکم پناگاہ میں داخل ہونا ممکن نہیں اور آپ ﷺ کے واسطہ عظمیٰ کے بغیر خدا کی بارگاہ سے کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ یہ آیت ہمیں اچھی طرح سمجھا رہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے ہٹ کر دین و شریعت اور ایمان و عمل کا کوئی تصور خدا کے ہاں پیدا نہیں ہوتا۔ دین ہمیں مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ سے ملتا ہے۔ ان کی شخصیت منبع ہدایت، ان کی سیرت سرچشمہ تہذیب، ان کی سنت مأخذ شریعت اور ان کی خوشنودی سرمایۂ نجات ہے۔

ویسے بھی یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ شریعت کا دارومدار وحی متلو یا کسی کتاب و صحیفہ کے نازل ہونے پر نہیں ورنہ ہر نبی پر کتاب نازل کی جاتی اور ہر قوم کو ایک مقدس صحیفہ عطا کیا جاتا۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر قوم، ہر علاقے اور ہر دور میں نبی آئے حتیٰ کہ ایک اسلامی روایت کے مطابق کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام مبعوث ہوئے مگر خدا کی طرف سے کتابیں کل چار اتریں اور ان کے علاوہ چند صحیفے۔ اس سے ایک بات بے غبار ہو کر سامنے آگئے کہ دین کا اصل دارومدار ہمیشہ نبی کی سیرت ، سنت اور پسند و ناپسند پر رہا۔ اتباع رسول ہی ایمان باللہ کی اساس اور حسنِ عمل کا معیار ہے۔ پیغمبرؐ ہی کے ذریعہ دین کا قیام، ملت کی تعمیر، شریعت کی تکمیل اور معاشرہ کی اٹھان ہوتی ہے۔

حضور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت شریفہ کے بعد اب رہتی دنیا انسانیت کے لیے من کل الوجوہ ہدایت و سعادت اور فلاح و نجات کا ہر راستہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کی اتباع میں منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ آپ کی ذات اقدس قیامت تک کے لیے سرچشمہ ہدایت اور منبع شریعت ہے۔ اب جس کو جو کچھ ملے گا اسی مبدا فیض سے ملے گا۔ سنیے! قرآن خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے اگر تم رسول خدا ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے ورنہ نہیں۔ "وان تطیعوہ تھتدوا" بے شک ان کی سیرت تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" [۶۶] کیونکہ ان کا بولنا خدا کی وحی "وماینطق عن الھوی ان ھوإلا وحی یوحی" [۶۷] اور ان کا فیصلہ خدا کی مرضی ہے۔ "وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا أن یکون لھم الخیرۃ من امرھم" [۶۸] وہ

ہاں کہہ دیں تو حج فرض ہو جائے۔ "لوقلت نعم لوجبت" (۶۹) اور نگاہ اٹھائیں تو قبلہ بدل جائے۔ "قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضاھا" (۷۰) وہ پکاریں تو نماز چھوڑ کر پہنچنا لازم "استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم" (۷۱) اور حکم دیں تو تعمیل بہرصورت دین ہے۔ "اذا امرتکم بشیئ فاتوا منہ ما استطعتم" (۷۲) خدا نے انہیں شارع مطلق بنایا ہے۔ وہ چاہیں تو بدو کو روزہ توڑنے پر کفارہ معاف کر دیں۔ اور چاہیں تو ایک آدمی خزیمہؓ کی گواہی دو مردوں کے برابر ٹھہرا دیں۔ وہ پسند کریں تو سراقہؓ کو سونے کے کنگن پہننے کی اجازت دیں اور چاہیں تو ابوبردہؓ سے کم عمر (چھ ماہ) بکرے کی قربانی قبول کر لیں۔ غرض حلال و حرام کا ہر فیصلہ ان کے سپرد ہے۔ "یحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبثت" (۷۳) اور یہی تو قرآن کے منہج تشریع کا نقطۂ کمال اور معیار تشریع کا حرف آخر ہے۔

دیں وہی، دیں کا عرفاں وہی، برہاں بھی وہی
منزل زیست وہی، زیست کا ساماں بھی وہی

حکیم مشرق مصور پاکستان علامہ اقبال کے الفاظ میں:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی اوست

حوالہ جات

۱۔ ابن خلدون: مقدمۂ تاریخ ص ۳۷، ۳۸

۲۔ ابن سینا: الشفا (الالھیات) ص ۴۴۱، مجلۃ الاحکام العدلیہ ص ۱۶، ۱۷

۳۔ ابن قیم: مفتاح دارالسعادۃ ص ۸۰

۴۔ Coulson: Conflicts and tensions in Islamic Jurispoudence, p.35

۵۔ البزدوی: کنز الوصول ص ۲۳۰، ابن عابدین: فتح الغفار، ج۲، ص ۱۳۸۔ التوضیح، ج ۲، ص ۴۴۳

۶۔ مجدد الف ثانی

۷۔ النساء، ۱۷۴

۸۔ الاسراء:۸۸

۹۔ الکہف: ۱۰۹، لقمان: ۲۷

۱۰۔ الاعراف: ۱۴۳

۱۱۔ الحشر:۱۲۱

۱۲۔ الاحزاب: ۷۲

۱۳۔ الحدید:۹، الانعام: ۱۲۴، الحج، ۷۵

۱۴۔ الفرقان:۱

۱۵۔ سورہ علق:۱

۱۶۔ وصفی: مصنفۃ النظم الاسلامیہ، ص ۱۵۹

۱۷۔ الآمدی: الاحکام ج۳، ص ۳۶۰، ۴۱۱، الشاطبی: الموافقات، ج۴، ص ۸، عزالدین : قواعد الاحکام ج۱، ص۹

۱۸۔ الدرینی: نظریۃ التعسف فی استعمال الحق ص ۱۵

۱۹۔ علال الفاسی: مقاصد الشریعۃ و مکارمہا، ص ۴۱، ۴۳

۲۰۔ عز الدین: قواعد الاحکام، ج۱، ص۹

۲۱۔ ابن قیم: اعلام الموقعین، ج۳، ص۳

۲۲۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، ج۲، ص ۶۶

۲۳۔ سید امیر علی: روح اسلام، ص ۳۰۳

۲۴۔ عبداللہ دراز: دستور الاخلاق فی القرآن، ص ۲۱

۲۵۔ الاعراف: ۱۵۷

۲۶۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، ج۱، ص۲۰

۲۷۔ علال الفاسی: مقاصد الشریعۃ و مکارمہا، ص ۱۸۷

۲۸۔ دیکھیے البرہان فی علوم القرآن للزرکشی، ج ،ص ۲۱۷ تا ۲۵۲

۲۹۔ حسن عبدالحکیم (گائی ایٹن): اسلام اور تقدیر انسانی (ترجمہ) ص ۱۵۰

۳۰۔ الشاطبی: الموافقات، ج۲، ص ۶۸، ج۳، ص ۳۹۵

۳۱۔ Faithjaf Schuon: understanding Islam, p.44

۳۲۔ سراج منیر: ملت اسلامیہ، تہذیب و تقدیر، ص ۲۰

۳۳۔ الزرکشی: البرہان، ج۴، ص ۴۳

۳۴۔ مالک بن نبی: الظاھرۃ القرآنیہ، ص ۹۰

۳۵۔ المائدہ:۳

۳۶۔ Hussein Nasr: Ideals and Realities, p.51

۳۷۔ الشاطبی: الموافقات، ج۳، ص ۳۶۶

۳۸۔ النساء: ۲۴

۳۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، راقم الحروف کی کتاب ''اسلامی قانون کا نظریہ مصلحت، باب دوم، ص ۲۴۴ تا ۲۷۰

۴۰۔ دیکھیے القرافی: شرح تنقیح الفصول، ص ۸۷، عز الدین: قواعد الاحکام، ج۱، ص ۸، الشاطبی: الموافقات، ج۲، ص ۲۳۹

۴۱۔ الحدید: ۲۵

۴۲۔ ابن قیم: الطرق الحکمیۃ، ص ۱۴

۴۳۔ علال الفاسی: مقاصد الشریعۃ و مکارمہا، ص ۴۱

۴۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فتحی الدرینی: نظریۃ التعسف فی استعمال الحق

۴۵۔ الانعام: ۱۱۹

۴۶۔ البقرہ: ۱۷۳، الانعام: ۱۴۵

۴۷۔ النحل: ۱۰۶

۴۸۔ النساء:۱۲

۴۹۔ البقرہ: ۲۳۱

۵۰۔ البقرہ: ۱۹۰، المائدہ: ۸۷

۵۱۔ البقرہ: ۱۷۸، المائدہ:۹۴

۵۲۔ الرازی: مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، ج۱۰، ص ۱۴۳، الآلوسی: روح المعانی، ج۵، ص۶۶

۵۳۔ الشاطبی: الموافقات، ج۱، ص۱۹۴

۵۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب: ''اسلامی قانون کا نظریہ مصلحت، ص ۴۶۵ تا ۴۹۸

۵۵۔ الآمدی: الاحکام، ج۳، ص ۴۰۳، السبکی: جمع الجوامع، ج۲، ص ۲۸۶، البرماری: مسلم الثبوت، ج۲، ص ۶۴

۵۶۔ الشاطبی: الموافقات، ج۴، ص ۱۹۶

۵۷۔ الشاطبی: الموافقات، ج۲، ص ۱۰۷

۵۸۔ ابن تیمیہ: مجموع فتاوی، ج۲۰ ص ۴۹

۵۹۔ عز الدین: قواعد الاحکام، ج۱، ص ۳۷

۶۰۔ البقرہ: ۲۸۶

۶۱۔ البقرہ: ۱۸۵

۶۲۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ

۶۳۔ الشعرانی: المیزان الکبری، ص ۵

۶۴۔ سورہ روم: ۳۰

۶۵۔ الحشر: ۷

۶۶۔ الاحزاب: ۲۱

۶۷۔ النجم: ۳، ۴

۶۸۔ الاحزاب: ۳۶

۶۹۔ البخاری: الجامع الصحیح، باب الاعتصام، ج ۹، ص ۱۱۷۔ صحیح مسلم، کتاب الحج

۷۰۔ البقرہ: ۱۴۴

۷۱۔ الانفال: ۲۴

۷۲۔ صحیح مسلم شریف

۷۳۔ الاعراف: ۱۵۷

☆☆☆